علی محمد فرشی کی نظموں میں جدید علامتی اظہار

ڈاکٹر سمیرا اکبر

Dr. Sumaira Akbar
Assistant Professor, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

زاہد حسین

Zahid Hussain
Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

Symbolism is a technique for writers to express their motives. Whenever freedom of speech is restricted, writers use symbolism as tool. Symbols are basically related with the community where they have developed. Ali Muhammad ِFarshi is well known poet of Urdu poem. In his poems, he uses a system of new symbolic words. He tries to present the inner self problems of an individual through the symbols. Every individual on this earth irrespective to religion and region, have some common problems like identification, hunger and death. The article discusses the systems of new symbols in Ali Muhammad Farshi's poems. Its discuses that what type of symbols he uses and up to how much extent he delivers them to his reader.

Key words: *Ali Muhammad Farsi, Urdu, Poems, Symbolism, Identification, death*

کلیدی الفاظ: علی محمد فرشی، اردو، نظم، علامت نگاری، شناخت، موت

بیسویں صدی آزادی اظہار کا پرچار کرتی ہے۔ تمام ممالک میں جمہوری نظام کا آنا اور بظاہر آمریت کا خاتمہ اس بات کا عندیہ ہے کہ ہر شخص کو بولنے کی آزادی ہے لیکن اس وقت پوری دنیا کا نظام پرت اندر پرت چھپا ہوا ہے اور ایک تہ کہ بعد دوسری تہ ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ آزادی اظہار بھی محض ظاہری ہے۔ بات کرنے والے کو یا تو تلاش گمشدہ کی فہرست میں ڈال دیا جاتا ہے یا پھر انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جاتا ہے۔ ادب ہر ایک سماجی مظہر سے اثر لیتا ہے اور ہمیشہ اظہار چاہتا ہے اس لیے معاشرے کے ادیبوں نے باتوں کو اشاروں اور استعاروں کی صورت میں کہنا شروع کیا تو

یہ صورت "علامت نگاری" کہلائی۔ علامت نگاری ادیبوں کے لیے آزادی اظہار کے ایک ایسے ٹول کی صورت میں سامنے آئی جس نے ادیب کے بات کہنے کی آزادی کو برقرار رکھا اور قاری کو رائٹرلی قاری بنا دیا۔ علامت نگاری استعارے کی ایک بلیغ ترین صورت ہے۔ علامت کا نظام ہر معاشرے اور ہر ادیب کے ہاں مخصوص اختلاف کے ساتھ نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر نگہت ریحانہ لکھتی ہیں:

> "علامت کسی لفظ کے معنی کے مفہوم کو کہا جاتا ہے۔ اس مفہوم کا ایک مخصوص پس منظر ہوتا ہے۔ علامت کی سب سے آسان صورت ایڈرین ایچ جیف اور ورجل اسکاٹ نے پیش کی ہے، لکھتے ہیں۔ In its simple form a symbol is something which stands for something else یعنی کسی ایک چیز کے لیے دوسری چیز مخصوص کر کے اسی کا ذکر کیا اور یہ کوئی "شے" یا کوئی "آواز" بھی ہو سکتی ہے۔ علامت الفاظ ہیں اور تخلیق کار الفاظ ہی کو اظہار خیال کا میڈیم بناتے ہیں۔"(1)

ایک علامت ضروری نہیں کہ تمام معاشروں کے لیے ایک طرح کے معانی اور تصورات کی تشکیل کرے۔ علامت نگاری کو انگریزی میں "سمبل" کہا جاتا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو سمبلز اپنے تصورات زمان اور مکان کی تبدیلی کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ سرخ بتی اگر سڑک کے کنارے روشن ہو تو روکنے اور جمود کے لیے ہے جبکہ یہی سرخ نشان جب کسی ترقی پسند مجلس میں نظر آتا ہے تو حرکت و عمل کا درس دیتا ہے۔

1955ء کو راولپنڈی پاکستان میں پیدا ہونے والے علی محمد فرشی کے ہاں مخصوص علامتی نظام نظر آتا ہے۔ ان کے نظموں کے مجموعے "تیز ہوا میں جنگل مجھے بلاتا ہے" اور "زندگی خودکشی کا مقدمہ نہیں ہے" ہیں۔ اُن کی نظم انسان کے سماجی، سیاسی اور نفسیاتی صورتِ حال کے خمیر سے جنم لیتی ہے۔ ان کی نظم میں معنی کی کئی پرتیں تہ در تہ کھلتی ہیں۔ ان کی نظم میں فرد کے باطنی مسائل، ذات کے انکشافات، فد اور معاشرے کا رشتہ جیسے موضوعات موجود ہیں۔

علی محمد فرشی عام فرد کے جذبات کو اپنی نظم میں علامت کی صورت میں پیش کرتے ہیں، وہ فرد کے مسائل کو مخصوص علامتی نظام کے ساتھ اپنے قاری کے سامنے لاتے ہیں۔ ان کا یہ علامتی نظام الجھا ہوا نہیں ہے بلکہ ادب کے جوئیندگان کو سوچنے اور اس مخصوص مظہر کو محسوس کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فرد کی ذات کے رومانی اور تصوفانہ مسائل جو فرد اور خدا کے درمیان ہیں یا فرد کے درون ذات ہیں یا افراد کے مابین ہیں ان کو زیرِ بحث لاتے ہیں۔ ان کے ہاں فرد، کائنات اور خدا ایک علامتی مثلث کا حصہ بنتی ہے جس کا ہر کونا اپنے ساتھ فرد کی ذات کے مسائل کو سمبلاتی تصورات تناظر میں جوڑتا ہے۔ انسان کی تنہائی کو محسوس کرتی نظمیں فرد کی اس کائنات میں حیثیت کے متعلق سوال و جواب کرتی نظر آتی

ہیں۔ فرد کو اپنے معاصر عہد میں جن صنعتی، سائنسی، ماحولیاتی، سماجی مسائل کی وجہ سے ذات کی تنہائی اور احساس جرم کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ اپنی ذات کا اظہار براہ راست نہیں کرتا بلکہ علامتی صورت میں کرتا ہے۔ علی محمد فرشی کے ہاں فرد ،مذہب اور محبت علامتی صورتوں میں نظر آتی ہیں۔ڈاکٹر روش ندیم لکھتے ہیں کہ:

> "یوں تو ڈیتھ گارڈ اور سیکس ابتدا سے ادبی تخلیقات میں بنیادی کردار ادا کرتے رہے ہیں لیکن فرشی کی شاعری میں یہ تین جہتیں مذہب، محبت اور ہوس کی صورت بہت نمایاں ہیں۔"(2)

علی محمد فرشی علامت کے ذریعے فرد کی ذات کی تنہائی کو بیان کرتے ہیں۔ فرد اس کائنات میں اپنی ذات کے سفر میں اکیلا ہے۔ سماج، معاشرہ اور مذہب اس کے لیے سہارا ضرور ہیں مگر وہ ان تمام چیزوں سے ماورا اپنی ایک حیثیت بحیثیت "فرد" رکھتا ہے۔ ذات میں ایک فرد خود ہی اپنے تمام جذبات، احساسات، باطنی مسائل اور نفسیاتی پیچیدگیوں کے ساتھ جی رہا ہوتا ہے۔ علی محمد فرشی فرد کی انفرادیت اپنی نظم "Pictogram" میں علامت کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔ "پکٹو گرام" نظم تین امیجز پر مشتمل ہے اور یہ نظم فرد کی انفرادیت کے حوالے سے بہترین علامتی نظم ہے۔ فرد جب تک اکیلا ہے اپنی ذات کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ وہ اپنی شناخت دنیا کے سامنے ظاہر کر سکتا ہے مگر جیسے ہی وہ سماج سے مناسبت اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے اُسے مختلف صورتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پہلی صورت یہ کہ وہ سماج سے اپنی ضرورت کے مطابق رشتہ رکھے اور اپنے وجود کو برقرار رکھے۔ دوسری صورت میں فرد اگر سماج مین مدغم ہو جائے گا تو وہ اپنی صورت برقرار نہیں رکھ پائے گا وہ سماج کا حصہ بن جائے اور اپنی شناخت کھو دے گا۔ دوسری صورت میں بنتی ہوئی "صلیب" ظاہر کرتی ہے کہ انسان جب اپنی انفرادیت کھو دیتا ہے تو وہ مصلوبی صورت میں آ جاتا ہے۔ جہاں اسے اپنی ذات کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ معاشرے اور سماج سے ہم آہنگی کے لیے فرد کو اپنی شناخت کو قربان کرتے ہوئے معاشرے کا حصہ بننا پڑتا ہے۔ یوں یہ امیجز فرد کے وجود کو بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ ناصر عباس نیرّ علی محمد فرشی کی علامت نگاری پر لکھتے ہیں کہ:

> "جہاں وہ کسی خیال، احساس یا کیفیت کی تجرید پیش کرنا چاہتے ہیں وہ استعاراتی اسلوب وضع کرتے ہیں۔ انہیں خیال، احساس یا کیفیت، مجسم صورت میں دھڑکتی، سانس لیتی، اپنی نرمی اور درشتی کو محسوس کراتی سوجھتی ہے۔"(3)

"Pictogrom" بھی ایک ایسی نظم ہے جس میں فرد اور معاشرے کی علامت "دھڑکتے، سانس لیتے اور اپنی نرمی کا اظہار" کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

فرد جب تک اپنے وجود سے بے خبر رہے گا وہ اپنے Innerself سے غافل ہو گا۔ اس کے لیے معاشرہ ہی

سب کچھ ہو گا۔ یہاں تک کہ اس کی اپنی ذات بھی معاشرے کے ماتحت ہو گی۔ جو کچھ معاشرہ اس کی ذات کے متعلق کہے گا فرد اپنی ذات کے متعلق وہی رائے رکھے گا۔ علی محمد فرشی اسی "فرد" کی ذات کے اس تضاد کو بھی علامت کی صورت میں محسوس کرتا نظر آتا ہے۔ وہ جب دیکھتا ہے کہ معاشرتی بھیڑ چال کا حصہ بننے والا فرد اپنی ذات کھو رہا ہے تو وہ اسے اس انداز میں احساسِ جرم محسوس کرواتا ہے:

وہ خود اپنی خبر میں ہے
اُسے دیوار کی اس دوسری جانب کی کوئی بھی خبر اچھی نہیں لگتی
خبر نے اس کو کیسا بے خبر رکھا ہوا ہے[4]

"دیوار" علامت ہے اور ایک ایسی رکاوٹ ہے جس کے باعث انسان آگے نہیں دیکھ سکتا۔ دیوار محدود کر دیتی ہے۔ فرشی کی نظم ایسے آدمی کا علامتی نوحہ ہے جو اس دیوار کو چاٹ کر آگے نہیں بڑھ سکتا اور اپنے آپ کو قیدی محسوس کرتا ہے۔ جو معاشرے میں خود کو تنہا، بے حیثیت اور بے وجود محسوس کرتا ہے۔ تنہائی کا ریگ بے کراں اُسے کر لیتا ہے تو وہ پکار اٹھتا ہے کہ:

نہ قاف کے یہ سلسلے
نہ جن پَری کا دیس ہے
نہ میں کسی قید میں
نہ کوئی میرا بھیس ہے
تو پھر نہ جانے کیوں مجھے
وہ بدنصیب آدمی
ابھی تلک وجود میں
جو قید بھی نہیں ہو
اداس، اداس رکھتا ہے[5]

فرد کی بے وجودیت اسے اداس کر دیتی ہے بد نصیب ہونے کا احساس جرم اسے آ لیتا ہے۔ اس لیے فرد معاشرے اسے اور ہجوم سے اظہار بیزاری کرتا ہے اور اپنی ذات میں قید ہو کر رہ جاتا ہے۔ علی محمد فرشی ذات کی اس تنہائی کو اپنے وجود کے "تابوت" میں مساتا نظر آتا ہے۔ وہ کبھی انسانی وجود کو "پنجرے" کے استعارے میں بند کرتا نظر آتا ہے تو کبھی مٹی کی بنی قبر میں قید کر نظر آتا ہے۔ نظم "تابوت" میں اپنی "میں" کا اظہار اور اپنے وجود کے کرب کو شاعر اس طرح بیان کرتا ہے:

میں اپنی مٹی میں رہتا ہوں

اور اپنے دریاؤں میں بہتا ہوں

اپنے خوابوں میں سوتا اور اپنے جگراتوں پر روتا ہوں

میری برف کا اپنا دکھ ہے، دھوپ کا اپنا سکھ (6)

ذات کے تابوت میں بند اس فرد کی معاشرے سے الگ اپنی دنیا ہے۔ اس میں دنیا میں فرد کی تنہائی کے اپنے خواب اور خیال ہیں جس میں وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

علی محمد فرشی وجود انسانی کو ایک پنجرے کی علامت سے ظاہر کرتا ہے۔ وجود کے اس پنجرے میں قید ہر ایک شخص کی اپنی دنیا ہے۔ اس "پنجرے" کو بھیڑ میں لاکر رکھ دینے سے بھی انسان کی اپنی پہچان برقرار رہتی ہے۔ پنجرے میں ظرف مکان کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ معاشرے اور فرد کے درمیان حدود ہیں۔ فرد جب وجود کے اس پنجرے سے نکلتا ہے تو وہ اپنا وجود کھو دیتا ہے۔ علی محمد فرشی کے ہاں پنجرہ بطور فرد کے وجود کی شناخت سامنے آتا ہے۔ ستیہ پال آنند لکھتے ہیں کہ:

> "The bird ifself is man, the individual. The poet… The Cage itself has been alternately presented as a goal, as a welcome segregation or guarantine."(7)

عہدِ حاضر کا انسان تنہائی کی چلہ کشی کرتا نظر آتا ہے۔ علی محمد فرشی وجود کے پنجرے میں قید فرد کی مختلف جہات کو موضوع بناتا ہے۔ یہ فرد اپنی شناخت کے لیے قید وجود میں ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

جوانی دوسروں کے پنجرے میں جھانکتی رہتی ہے

اور بڑھاپا اپنے پنجرے میں دبک کر بیٹھا رہتا ہے (8)

انسان میں "اپنے ہونے" کے احساس کی وجہ سے اور اپنی جسمانی خواہشات کی عدم تکمیلیت کی وجہ سے نفرت، بے زاری، بے چینی، تنہائی اور کرب کی صورتیں جنم لیتی ہیں۔ علی محمد فرشی فرد کو اپنے جسم اور اپنے وجود سے بیزاری پر سرزنش کرتا نظر آتا ہے کرکیگارڈ کے نظریہ "میں ہوں اس لیے میں سوچتا ہوں" کہ اصول پر فرد کو یہ امید دلاتا ہے کہ اس کا اس کے لیے باعثِ اذیت نہیں بلکہ باعث مسرت ہے۔ نظم "کلمۂ شہادت" اور "راہبہ" میں وجود کی اثبات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ راہبہ ایک ایسی عورت کے وجود کی علامت ہے جو اپنی ذات کی قربانی دیتی ہے۔ اسے یہ قربانی پیدا ہونے کے بعد ہر ایک مقام پر دینا پڑتی ہے۔ وہ باپ اور بھائی کی عزت رکھنے کے لیے اپنی محبت اور اپنی خواہش کی قربانی دیتی ہے۔ "راہبہ" ہر اس عورت کی علامت ہے جسے یہ سب برداشت کرنا پڑا۔ نظم "راہبہ" میں علی محمد فرشی لکھتے ہیں کہ:

راہبہ

سچ بتا! واقعی جسم ناپاک ہے؟
پھر مقدس محبت کے اجلے پرندے نے
اس میں ہی کیوں گھر بنایا؟
کبوتر ہمیشہ انہی گنبدوں پر اترتے ہیں
جن سے خدا تک پہنچنے کا
نورانی زینہ ملے(9)

"کبوتر" کا شرف انہی گنبدوں پر اترنا ایک ایسا بیانیہ ہے جو بچپن ہی سے عورت کے ذہن میں ڈال دیا جاتا ہے۔ وہ ساری زندگی کی اسی طرز پر نمو پانے کی کوشش میں لگی رہتی ہے اور اپنا آپ قربان کرتی رہتی ہے۔

گلوبل ویلج بنتی دنیا نے فرد کے ڈر کو بڑھا دیا ہے اور اس لیے وہ اظہار کو علامت کی صورت میں لے آیا ہے۔ اخبار اور سوشل میڈیا کی زینت بنتی خبریں فرد کو احساس بے بسی میں مبتلا کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ علی محمد فرشی کی نظم "بے خبر کووں کی موت" اور "وہی آدمی چوہے دان میں مر جائے گا" کو میں ایسی علامتیں استعمال کی گئی ہیں جو اس ڈر میں مبتلا فرد کو ظاہر کرتی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

کئی دن سے
مجھے محسوس ہوتا ہے
کہ میرے جسم کے اندر
کسی کونے میں
کوئی چوہیا مردہ پڑی ہے
میں پہلے اس کو اپنا وہم سمجھا تھا
مگر اخبار کی سرخی بھی کہتی ہے
ہمارے شہر میں
طاعون کو پھیلے ہوئے اب ساتواں دن ہے(10)

مردہ چوہیا کا وجود، سرخی انسان کے خوف کی علامتیں ہیں۔ بڑھتی ہوئی دہشت گردی کی خبریں جب ٹی وی اور اخبار میں سامنے آتی ہیں تو لوگ نفسیاتی طور پر بے شمار الجھنوں کا شکار ہوتے ہیں۔ ہر ایک فرد کے اندر ایک مردہ چوہیا پڑی ہے جسے خطرہ ہے کہ کسی بھی وقت کسی حادثے کے باعث اس کا خون کر دیا جائے گا۔ برسرِ اقتدار طاقتوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جنگ اور دہشت گردی کا سہارا لے کر فرد کو بے آسرا کر دیا۔ جنگی ہتھیاروں نے دنیا کو تباہی کے دہانے

پر لا کھڑا کیا۔ علی محمد فرشی کی نظموں میں جنگی ہتھیاروں اور دہشت گردی سے ہراساں فرد کا خوف علامتی صورت میں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ حمید شاہد لکھتے ہیں:

”فرشی کے شعری سروکاروں میں موجود کا منظر پوری طرح دخیل ہے۔ اسی منظر نامے سے اس نے روح عصر سے معاملہ کیا۔ وہ بتاتا ہے کہ آج کا انسان اس بچے کی مانند ہے جس کی ماں مٹی کی گود میں سو رہی ہے جس کے سرہانے پیپل کا پیڑ ہے۔ آج کا انسان ماں کے خوابوں میں دوڑتا پھرتا وہ لڑکا ہے جو پیڑوں کے جھرمٹ سے نکل کر کہتا ہے کہ دیکھو میں نے کتنی جلدی ایٹم بم بنالیا ہے۔“(11)

دورِ حاضر میں فرد سے معاشی مسائل نے ان کا بچپن تک چھین لیا ہے۔ روٹی کے مسائل نے آج کے بچے میں بوڑھاپے کے احساس کو پیدا کیا ہے۔ غربت و افلاس زدہ گھروں کے بچے جب معاشرے میں اپنے ساتھ ناانصافی دیکھتے ہیں تو بچپن ہی سے اُن میں مایوسی اور تنہائی کے احساسات جنم لیتے ہیں۔ علی محمد فرشی نے فرد کے بچپن کے اس دکھ موضوع بنایا ہے۔ اگر یہ معاشی مسائل نہ ہوتے اور بچوں کو چائلڈ لیبر پر مجبور نہ کیا جاتا تو وہ اپنا بچپن جیتے اور ان میں نفرت اور تنہائی جنم نہ لیتی۔ معاشی مسائل بچون کو اُن کے بچپن میں ہی حساس بنا دیتے ہیں۔ نظم ”اس کو کون چُنے گا“ میں لکھتے ہیں:

ردی کاغذ چننے والی لڑکی کو معلوم نہیں
افراطِ زر کیا ہوتی ہے
قیمتی کاغذ کیسے ردی پرزے بن جاتے ہیں
ردی چننے والی لڑکی کو معلوم نہیں
گندے ڈھیروں پر بکھرے
بد بودار عباروں سے
کس کے رونے کی آوازیں آتی ہیں
ننھے نور فرشتے
کیسے ماؤں کی گود سے گر جاتے ہیں(12)

جب ایک فرد معاشی مجبوری کے باعث اپنی ہی اولاد کو قتل کرتا ہے یا اُسے کسی درگاہ اور کسی اجاڑ ویرانے کی نظر کر آتا ہے تو اس کی بے بسی انسانیت کے معاشی قتل کو ظاہر کرتی ہے۔ "ردی" دراصل معاشرے کا وہ گند ہے جو اس فرد کو اٹھانا پڑتا ہے جس نے اسے پھیلایا نہیں ہوتا۔ کسی کے گناہوں کی سزا کسی کو دے دی جاتی ہے۔ معاشرے کا طاقت ور فرد گناہ اور جرم کر کے کسی کے غریب کو سزا بھگتنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔

بچپن میں اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشات کو قتل کر کے معاشی مجبوریوں میں زندگی میسر کرنے والا بچہ نفسیاتی طور پر معاشرے کے خلاف تعصب پسند ہو جاتا ہے۔ ساری زندگی مجبوری، بے بسی، تنہائی اور معاشرے سے اجتناب میں کاٹنے والا بچہ بچپن کی تمام تر سہولیات سے محروم ہوتا ہے۔ یہ معاشی قتل بچوں کے بچپنے اور ان کی خوشیوں کو معاش کی صلیب پر ٹانک دیتا ہے۔

علی محمد فرشی کی شاعری میں "موت" کے لیے مختلف علامتیں استعمال کی گئی ہیں۔ وقت کا بے رحم دھارا انسان کی لاکھ کوششوں کے باوجود اُسے موت جیسی اٹل حقیقت سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ وجودی مکتب فکر کا ایک طبقہ جو خدا سے انکاری ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا کی ذات کا وجود نہیں ہے اور انسان ہی سب کچھ ہے۔ وہ بھی موت کی توضیح و تشریح نہیں کر سکتا۔ "خدا کی موت کے بعد" کیا ہوا؟ کیا انسان کا اثبات بذاتہ خدا کے وجود کو ثابت نہیں کرتا؟ وقت کی بے رحمی سے چلتی ہوئی سوئی کس طرح انسان کی بے بسی کا باعث بنتی ہے۔ ان تمام سوالات کے جوابات کو علی محمد فرشی اپنی نظم کا موضوع بناتے ہیں۔ فرشی کے ہاں موت، تنہائی اور وقت ایک دوسرے کے متوازی چلتے نظر آتے ہیں۔ پیدائش کے بعد سے فرد کو موت کو خوف آلیتا ہے اور ہر ایک لمحہ یہ خوف کسی نہ کسی طرح اپنا نفسیاتی دباؤ برقرار رکھتا ہے۔ فرشی لکھتے ہیں کہ:

باہر
دروازے پر
خاموشی کا بچھو
لا بن کر لٹکا ہے
اندر
کمرے میں
اس کے بستر پر
سناٹا
میلا کمبل اوڑھے لیٹا ہے
اپنی چیخ کی تیز چھری کو
دانتوں میں پکڑے
بیٹھی
سوچ رہی ہے

اس پر وار کروں!

اپنا شکار کرو!![13]

علی محمد فرشی موت کے احساس کو مختلف پیرائیوں میں بیان کرتے ہیں۔ موت، تنہائی اور وقت یہ تینوں ایک دوسرے کے ساتھ اپنی شکلیں بدلتے ہیں۔ یہ تینوں ایک دائرہ بناتے ہیں اور فرد سے فرد تک کے افتراق کے ساتھ مختلف صورتوں میں سامنے آتے ہیں۔ فرد کی سب سے بڑی کمزوری بھی موت دکھائی دیتی ہے اور فرد کی تمام کمزوریوں کا سدباب بھی موت کے پاس معلوم ہوتا ہے۔ حمید شاہد لکھتے ہیں کہ:

> "موت فرشی کی نظموں کا مصروف اور مانوس امیج ہے اور شاعر کے مخصوص تخلیقی چلن میں یہ علامت بھی ہر بار نیا چولا پہن کر آتا ہے۔ تاہم لطف یہ ہے کہ ہر بار جسم کی موت سے ماورا اس طرح سے معنی اخذ کرتا ہے۔"[14]

عہد حاضر کی نظم میں علی محمد فرشی کا یہ علامتی نظام دراصل ان کا الگ اسلوبیاتی نظام وضع کرتا ہے۔ علامتی نظم قاری کے لیے تب تک بے معنی رہتی ہے جب تک شاعر اس علامت کو مختلف مانوس علامتوں اور الفاظ سے قاری تک نہ پہنچائے۔ علی محمد فرشی علامت کی ترسیل کو یقینی بنانے کے لیے موجودہ زندہ علامتوں کو ذریعہ اظہار بناتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ نگہت ریحانہ خان، ڈاکٹر، اردو افسانہ فنی و تنقیدی مطالعہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 1984ء، ص:45

2۔ روش ندیم، علی محمد فرشی کی سہ جہتی شاعری، روزنامہ نوائے وقت، اسلام آباد، 27مارچ1999ء، ص:

3۔ ناصر عباس نیر، علی محمد فرشی کی تمثال سازی، مجلہ نظم نو، ادارت: علی ساحل شمارہ ۳، کراچی، س ن، ص:220

4۔ علی محمد فرشی، تیز ہوا میں جنگل مجھے بُلاتا ہے، اسلام آباد: لیو بکس، 1995ء، ص:15

5۔ ایضاً، ص:56

6۔ علی محمد فرشی، زندگی خود کُش کا مقدمہ نہیں ہے، راولپنڈی: پرنٹنگ پریس، 2004ء، ص:97

7۔ ستیہ پال آنند، مشمولہ فلیپ، تیز ہوا میں جنگل مجھے بلاتا ہے، اسلام آباد: لیو بکس، 1995ء

8۔ علی محمد فرشی، محبت سے خالی دنوں میں، فیصل آباد: مثال پبلشرز، 2018ء، ص:136

9۔ زندگی خود کُش کا مقدمہ نہیں ہے، ص:131

10۔ تیز ہوا میں جنگل مجھے بُلاتا ہے، ص:60

11۔ محمد حمید شاہد، آٹھویں جہت، مشمولہ: محبت سے خالی دنوں میں از علی محمد فرشی، فیصل آباد: مثال پبلشرز، 2016ء، ص:16

12۔ تیز ہوا میں جنگل مجھے بُلاتا ہے، ص:93

13۔ ایضاً، ص:67

14۔ محمد حمید شاہد، علی محمد فرشی۔۔۔ نیند میں چلتی موت، مجلہ: نقاط (نظم نمبر)، شمارہ10، قاسم یعقوب، فیصل آباد